© rasailojaraid.com

محمد اسحاق بھٹی

مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی

مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی علامۂ دہر، عالم کبیر، فقیہ ذی مرتبت اور محدث دوراں تھے۔ شاہ عبدالغنی کے فرزند، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بھتیجے، شاہ ولی اللہ محدث کے پوتے اور شاہ عبدالرحیم کے پڑپوتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کی اس وسیع و عریض سرزمین میں علم و فضل، وعظ و ارشاد، تصنیف و تالیف، درس و تدریس، احیائے اسلام، تجدید دین، اصلاح امت اور جہاد فی سبیل اللہ کے جو بلند ترین اوصاف اس عالی قدر خاندان کے لائق احترام ارکان میں پائے جاتے ہیں، اس میں کوئی ان کا مدمقابل نہیں۔ مولانا شاہ محمد اسماعیل نے اپنے اسلاف کے ان اوصاف اور بزرگوں کی اس میراث کی نہ صرف حفاظت کا فریضہ انجام دیا بلکہ اپنے بے پناہ عمل و سعی سے ان کے حسن و زیبائی میں انتہائی اضافہ کر دیا۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل کی ولادت صحیح اور مستند روایت کے مطابق ۱۲۔ ربیع الاوّل ۱۱۹۳ھ (۲۶۔ اپریل ۱۷۷۹ء) کو دہلی میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ کا نام نامی بی بی فاطمہ تھا، اپنے مرشد امیرالمومنین سید احمد شہید دہلوی سے تقریباً سات سال بڑے تھے۔

تعلیم و تربیت

شاہ اسماعیل نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ (۱۲۔ اپریل ۱۷۸۹ء) کو ان کے والد شاہ عبدالغنی کا انتقال ہوا، اس وقت بیٹے کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ تینوں اعمام کرام (شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبدالقادر، یتیم بچے کو آغوشِ محبت میں لینے اور اپنے گھر جانے کے لیے تیار تھے۔ لیکن رسمی طور پر یہ ذمے داری شاہ عبدالقادر نے اُٹھالی، جن کی اپنی اولاد صرف ایک لڑکی تھی۔ شاہ اسماعیل نے درسی کتابیں انہی سے پڑھیں اور تمام مروّجہ علوم میں وہ درجہ حاصل کرلیا جو اُن کے عہد میں تعلیم و تدریس کا آخری درجہ سمجھا جاتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز سے حدیث کی سند لی اور پندرہ سولہ سال کی عمر میں حصولِ علم سے فارغ ہوگئے۔

سرسید احمد خاں نے آثارالصنادید میں ان کا ذکر نہایت عقیدت و احترام سے کیا ہے، وہ ان کی بے پناہ ذہانت و فطانت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تعلیم کے عہدِ آغاز میں استغنا کا یہ عالم تھا کہ اس بات کا کوئی خیال نہ رہتا تھا کہ سبق کہاں ختم کیا تھا اور اب کہاں سے شروع ہوگا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اصل مقام سے بعد کی عبارت پڑھنا شروع کردیتے، شاہ عبدالقادر ٹوکتے تو جواب دیتے کہ پچھلی عبارت کا مطلب آسان تھا، اس لیے پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ شاہ عبدالقادر اس متروکہ حصے سے کچھ پوچھتے تو جواب میں ایسی تقریر فرماتے کہ سب لوگ حیران رہ جاتے۔ کبھی اصل مقام سے پیشتر سبق کا آغاز کردیتے، شاہ عبدالقادر متنبہ فرماتے تو اسماعیل ایسے شبہات وارد کرتے کہ فاضل استاد کو بھی جواب میں خاص توجہ مبذول کرنا پڑتی۔

دلّی کے تمام علمی حلقوں میں ان کی غیر معمولی ذکاوت اور انتہا درجے کی ذہانت کی شہرت تھی۔ فارغ التحصیل ہوئے تو لوگ امتحان کے طور پر برسرِ راہ روک کر مشکل سوالات شروع کردیتے۔ سوال کرنے والوں کا یہ خیال ہوتا کہ کتاب ان کے پاس نہیں ہے، لہٰذا اطمینان بخش جواب نہ دے سکیں گے۔ لیکن شاہ شہید بے توقف جواب میں تقریر شروع کردیتے اور مسئلے کی ایسی تشریح فرماتے کہ پوچھنے والے حیران ہو جاتے بلکہ اکثر اوقات اپنی جرأتِ سوال پر ندامت محسوس کرتے۔[1] بلاشبہ وہ متبحر عالم اور انتہائی ذکی و ذہین تھے۔ تیس ہزار حدیثیں انھیں زبانی یاد تھیں[2]

سید احمد شہید کی بیعت

حصولِ علم سے فراغت کے بعد شاہ اسماعیل شہید کی فضیلتِ علمی، ذہانت و ذکاوت اور قابلیت

---

[1] آثارالصنادید ص ۲۷۱، ۲۷۲

[2] مقدمہ بر تقویۃ الایمان (از غلام رسول مہر) ص ۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شہرت ہر حلقے میں پہنچ گئی تھی، لیکن ابھی کوئی مستقل کام شروع نہیں کیا تھا اور طبیعت میں کچھ بے پروائی سی پائی جاتی تھی۔ یا تو اس کی یہ وجہ ہوگی کہ خاندان میں جو مشاغل رواج پذیر تھے، ان کے نزدیک وہ اصل مقاصد تک پہنچنے کے لیے کافی نہ تھے اور وہ کوئی نیا قدم اُٹھانا چاہتے تھے۔ یا پھر وہ اپنے دل میں ایک لائحۂ عمل مرتب کر چکے تھے اور اس کا آغاز کرنے کے لیے رفقا و معاونین کی تلاش میں تھے۔ کئی سال اسی حالت میں گزر گئے۔ اس اثنا میں اگرچہ اُنھوں نے اپنے اسلاف کے طریق کار کے مطابق تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور کئی اہم شخصیتوں نے ان سے علم حاصل کیا، لیکن یہ کام ان کے کامل اطمینانِ قلب کا باعث نہ تھا۔

ایک عرصے تک یہی حالت رہی تا آنکہ ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹) میں امیر المجاہدین سید احمد بریلوی نواب امیر خاں والیٔ ٹونک کی رفاقت و ملازمت ترک کر کے راجپوتانہ سے دہلی پہنچے اور اکبر آبادی مسجد میں اقامت گزیں ہوئے۔ وہ بہت ہی متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ جوں ہی اُنھوں نے دہلی میں قدم رکھا، لوگوں نے ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہونا شروع کر دیا۔ پہلے مولانا محمد یوسف پھلتی، پھر شاہ عبدالعزیز کے داماد مولانا عبدالحی بڑھانوی اور بعد ازاں شاہ اسماعیل نے ان سے بیعت کی۔ اس وقت سے ان زندگی کا دھارا بالکل بدل گیا اور ان کے شب و روز پہلے سے کہیں زیادہ لوگوں کی دعوت و ارشاد میں بسر ہونے لگے۔ سہ شنبہ اور جمعہ کو بالالتزام شاہی مسجد میں وعظ فرماتے۔ سر سید رقم طراز ہیں کہ نماز جمعہ کے لیے لوگ اس کثرت سے آنے لگے جیسے عیدین کی نمازوں میں آتے تھے۔ سامعین کا شمار نہ ہوتا تھا۔ وعظ کا طریقہ ایسا تھا کہ جو کچھ فرماتے دلوں میں پیوست ہو جاتا۔ اگر کسی بات پر کوئی خلش پیدا ہوتی تو آگے چل کر بالکل رفع ہو جاتی۔ احیائے سنت اور ردِ شرک و بدعت ان کے واعظوں کا خاص موضوع ہوتا ہے[۴۳]

یہی وہ زمانہ تھا جب اُنھوں نے احیائے دین کا سلسلہ پوری سرگرمی سے شروع کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد ان کی تجدیدی تگ و تاز کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام بلاشبہ ہر رنگ میں جامع اور کامل ہے۔

"بایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا، تجدید و تدوین علوم و معارف اور تعلیم و تربیت اصحاب استعداد تک محدود

---

۴۳ آثار الصنادید ص ۲۷۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا، اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مردِ میدان کا منتظر تھا اور معلوم ہے کہ توفیقِ الٰہی نے یہ معاملہ صرف علامہ و مجدد شہید رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا، خود حضرت شاہ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا۔

می خواست رست خیز ز عالم بر آورد　　آں باغباں کہ تربیت ایں نہال کرد

اگر خود شاہ صاحب بھی اس وقت ہوتے تو انہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔ حضرت پیر انصاری کا قول یاد ہے "من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود، باوجود پیریش مریدی من می کرد"۔ شاہ صاحب نے مزاجِ وقت کے عدمِ تحمل و استعداد سے مجبور ہو کر بحکم

بہ رمز نکتہ ادا می کنم کہ خلوتیاں　　سر سبو بکشادند و در فرو بستند

دعوت و اصلاحِ امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دیے گئے تھے، اب اس سلطانِ وقت اور سکندرِ عزم کی بدولت شاہ جہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑے بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی، وہ اب برسرِ بازار کہی جا رہی اور ہو رہی تھیں اور خونِ شہادت کے چھینٹے حرف و حکایت کے نقوش و سواد کو صفحۂ عالم پر ثبت کر رہے تھے

آخر تو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم　　حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم

پھر کیا اس وقت ہندوستان علم و عمل سے خالی ہو گیا تھا! یا حق پر چلنے والے اور حق کا درد رکھنے والے معدوم ہو گئے تھے؟ کون ہے جو ایسا کہہ سکتا ہے؟ خود اسی خاندانِ عالی میں کیسے کیسے اکابر و اساتذۂ علم و عمل موجود تھے۔ حضرت شاہ عبد العزیز کے درس و تدریس کی بادشاہت سمرقند و بخارا اور مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین علم و عمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر ان کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا فیضانِ علم کام نہ کر رہا ہو۔ بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ وہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا، اس کے لیے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی۔ سب دوسرے دوسرے کاموں میں الجھ کر رہ گئے، یا حجروں کا کام یا مدرسوں کا۔ لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لیے تھا اور ایک ہی پر چست آیا۔ دنیا اس کے لیے خلعتِ عظمت اور شرفِ قبول کا [illegible] سارے سامانوں کے ساتھ کب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اس کی راہ تک رہا تھا۔ امیدواروں پر اُمیدوار یکے بعد دیگرے گزرتے رہے مگر اُس کا مستحق کوئی نہ نکلا۔۴۶
یعنی مولانا اسماعیل شہید دہلوی کے سوا اس دور میں کوئی دوسرا راہِ حق اور جادۂ شہادت کی طرف قدم نہ بڑھا سکا۔

سفرِ حج

شوال ۱۲۳۶ (جولائی ۱۸۲۱) میں امیر المجاہدین سید احمد بریلوی نے حج بیت اللہ کا عزم کیا۔ اس زمانے میں سمندر کے سفر میں خطرۂ ہلاکت کی وجہ سے بعض علما نے فرضیت حج کے سقوط کا فتویٰ جاری کر دیا تھا۔ بلکہ کچھ ایسے اصحابِ علم بھی تھے جو یہاں تک فرمانے لگے تھے کہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی رو سے عازم حج ہونا (معاذ اللہ) معصیت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا، جس کے روک تھام کی ایک صورت تو یہ تھی کہ تحریر و تقریر کے ذریعے اس کی تردید کی جائے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، سید احمد شہید بریلوی، مولانا محمد اسماعیل دہلوی، مولانا عبدالحئی بڑھانوی اور دیگر علمائے حق نے نہایت حسن و خوبی سے یہ فریضہ انجام دیا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایک عملی اقدام کیا جائے اور پورے ملک میں ادائے حج کے لیے لوگوں کو تیار کیا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد اسماعیل، مولانا عبدالحئی، سید احمد بریلوی اور ان کے رفقائے نامدار نے اس کے لیے ایک زوردار مہم شروع کی اور ساڑھے سات سو مسلمانوں کے ایک بڑے قافلے کے ساتھ حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ اس قافلے میں مولانا محمد اسماعیل کی والدہ مکرمہ اور ہمشیر محترمہ بھی شامل تھیں۔ دس جہاز کرائے پر لیے گئے اور ہر جہاز کی جماعت کے لیے ایک امیر مقرر کیا گیا۔ ایک جہاز کی جماعت کے امیر خود مولانا محمد اسماعیلؒ تھے۔ یہ قافلہ کلکتے سے روانہ ہوا، اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد شعبان ۱۲۳۹ھ (اپریل ۱۸۲۴ء) کو ہندوستان واپس آیا۔

دعوتِ جہاد

حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد مولانا شہید نے اپنے مرشد سید احمد شہید کے تیار کردہ منصوبے کے مطابق اپنے آپ کو دعوتِ جہاد کے لیے وقف کر دیا اور وعظ و تبلیغ میں لوگوں کو جہاد کے لیے کمربستہ ہونے کی تلقین فرمانے لگے۔ اس ضمن میں سرسید رقمطراز ہیں۔

"بموجب ارشاد سید اصفیا یعنی پیر طریق ہدیٰ اس طرح سے تقریر و وعظ کی بنا ڈالی کہ مسائل جہاد فی سبیل اللہ

۴۶۔ تذکرہ ص ۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیشتر بیان ہوتے اور یہاں تک آپ کی صیقل تقریر سے مسلمانوں کا آئینۂ باطن مصفا ہو جلا ہوگیا اور وہ اس طرح سے راہِ حق میں سرگرم ہوئے کہ ہر شخص بے اختیار چاہنے لگا، سر اس کا راہِ حق میں فدا اور جان اس کی اعلاء لوائے دین محمدی میں صرف ہو۔[55]

مطلب یہ کہ ان کی تقریر کا موضوع اور وعظ کا مقصد فقط یہ ہوتا کہ مسلمان اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے میدان عمل میں نکل آئیں اور جو غیر ملکی طاقت ان پر مسلط ہو گئی ہے، اس کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں۔ اس سلسلے میں انھوں نے پورے ملک کا دورہ کیا اور ہر جگہ مختلف پیرائے سے یہ بات بیان فرمائی۔

ہجرت

تقریباً پونے دو سال انھوں نے لوگوں کو دعوتِ جہاد دی اور ملک کے تمام اہم مقامات پر اپنا نقطۂ نظر شریعت کی روشنی میں وضاحت سے بیان کیا۔ جب مختلف شہروں اور قصبوں میں مجاہدین کی جماعتیں قائم ہو گئیں تو کامل سوچ بچار کے بعد سرحد کے علاقے سے آغازِ جہاد کا فیصلہ کیا گیا، کیوں کہ اس زمانے میں پنجاب کی سکھ حکومت مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہی تھی اور پہلے قدم پر ان سے نمٹنا ضروری تھا۔

اس بنیادی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انھوں نے ہندوستان سے ہجرت کر کے سرحد کے آزاد علاقے میں قیام کرنے کا عزم فرمایا۔ چنانچہ وہ ۷؍جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ (۱۷؍جنوری ۱۸۲۶ء) کو سید احمد بریلوی کی معیت میں جہاد کی غرض سے مہاجر ہو کر علاقۂ سرحد کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت صرف چھ سو کے قریب آدمی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مرکز میں پہنچ کر حالات کا پورا جائزہ لیا جائے گا اور پھر مناسب موقعے پر مجاہدین کی باقی جماعتوں کو بھی ہندوستان کے مختلف مقامات سے بلا لیا جائے گا۔ اس سلسلے کے تمام تنظیمی اور تبلیغی معاملات مولانا محمد اسماعیل ممدوح کے سپرد تھے۔

مجاہدین مہاجرین یہ قافلہ جو کم و بیش چھ سو افراد پر مشتمل تھا، رائے بریلی سے روانہ ہوا، اور بندھیل کھنڈ، گوالیار، ٹونک، اجمیر، صحرائے مارواڑ، عمر کوٹ، حیدر آباد (سندھ) شکارپور کوئٹہ، قندھار، غزنی اور کابل ہوتا ہوا پشاور پہنچا۔ یہ تقریباً تین ہزار میل کا سفر تھا، جس میں تپتے ہوئے

---

۵۵ آثار الصنادید ص ۲۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحرا بھی تھے اور جہاں میلوں تک پانی کا ایک قطرہ نہ ملتا تھا۔ بڑے بڑے دریا بھی تھے، دشوار گزار پہاڑ اور برفستان بھی تھے۔ اللہ کے اِن کے برگزیدہ بندوں نے دس مہینوں میں یہ مسافت طے کی۔

جہاد فی سبیل اللہ

اِس کاروانِ حق نے ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ (۲۰ ردسمبر ۱۸۲۶ء) کو جہاد بالسیف کی طرح ڈالی۔ آغازِ جہاد میں جو خدمات مولانا محمد اسماعیل نے انجام دیں، ان کی نہایت مختصر کیفیت مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ باشندگانِ سرحد نے سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر امارتِ جہاد کی بیعت انہی کی سعی و کوشش سے کی۔

۲۔ جہاد سے متعلق سرحد کے علماو اکابر سے جتنی دفعہ بھی گفتگو ہوئی، مولانا شہید نے کی اور اس ضمن میں اُنھوں نے جو علمی، دینی اور سیاسی وضاحتیں طلب کیں، ان سب کا جواب مولانا ہی نے دیا۔

۳۔ ضلع ہزارہ میں تنظیمِ جہاد انہی کی تگ و دو سے ہوئی۔

۴۔ جنگ شنکیاری میں صرف دس گیارہ مجاہد ان کے ساتھ تھے۔ لیکن اُنھوں نے اس درجے بہادری اور استقامت کا ثبوت دیا کہ سکھوں کے ایک بڑے لشکر کو شکست دی۔ اس جنگ میں مولانا کی قبا دشمن کی گولیوں سے چھلنی ہوگئی اور ایک انگلی پر گولی کا زخم لگا۔ بعد میں اس زخمی انگلی کی طرف اشارہ کرکے مزاحاً کہا کرتے تھے کہ یہ ہماری انگشتِ شہادت ہے۔

۵۔ سرحد میں انہی کی کوششوں سے اقامتِ شریعت کی بیعت لی گئی اور وہاں کے باشندے پہلی مرتبہ صحیح شرعی حکومت کی برکتوں سے فیض یاب ہوئے۔

۶۔ امب، مردان، عشرہ اور مایار کی لڑائیوں میں جو فتوحات حاصل ہوئیں، وہ انہی کی جرأت اور بہادری کا نتیجہ تھا۔

۷۔ پشاور کی فتح کے بعد سلطان محمد خاں بارک زئی سے گفتگو کے لیے سید صاحب نے انہی کو نامزد فرمایا تھا۔

مولانا محمد اسماعیل نہایت ذکی، انتہائی ذہین اور بے حد معاملہ فہم تھے۔ نواب محمد صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جوہر ذکائے او بہ غایت عالی افتادہ بود۔ حکایات ذہانت وفطانت وے ہنوز نقل ہر مجلس و زیب ہر محفلِ اہلِ علم است۵۶

ان کی ذکاوت کا جوہر بہت بلند تھا۔۔۔ ان کی ذہانت و فطانت کی تیزی کے قصے اب تک اہلِ علم کی ہر مجلس کے لیے باعثِ زینت سمجھے جاتے ہیں۔

سیرت و کردار

مولانا شہید بہت بڑے عالم، معقول و منقول کے ماہر، فروع و اُصول کے امام اور ہر فن میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ زندگی کا ہر لمحہ اعلائے کلمۃ اللہ، احیائے سنت رسول اللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور ہدایت خلق اللہ میں گزرا۔ نہایت جری اور شجاع تھے۔ وعظ و تقریر میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، واضح اور مدلل گفتگو کرتے۔ اللہ کے سوا کسی کا ڈر اور خوف ان کے دل میں نہ تھا۔ خطرناک سے خطرناک مواقع پر بلا جھجک تنہا جا کھڑے ہوتے۔ دبلے پتلے اور لاغر اندام تھے، مگر عزیمت و استقامت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ایک تجربہ کار جرنیل کی طرح جنگ کی منصوبہ بندی کرتے اور دشمن کے ہر وار کا کامیابی سے دفاع کرتے۔ سادہ مزاج اور سادہ معیشت تھے۔ کھانے پینے اور لباس میں کسی قسم کا تکلف نہ تھا۔ ملنسار، بلند کردار اور ہمدرد خلائق تھے۔ فن مناظرہ کے ماہر تھے، خالص علمی اور تحقیقی انداز میں گفتگو کرتے اور ہر اعتراض کا مسکت جواب دیتے۔

تصانیف

شاہ اسماعیل جہاں بہت بڑے عالم و مجاہد اور واعظ و مبلغ تھے، وہاں بہترین مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ رد الاشراک عربی: یہ ان کا ایک رسالہ ہے جو عربی زبان میں ہے۔ اس میں شرک کی باریک سے باریک اقسام بیان کی گئی ہیں اور غیر شرعی رسوم و عوائد کی تردید فرمائی گئی ہے۔ ہر جگہ آیات قرآن اور احادیث نبوی سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ یہ رسالہ الگ سے شائع ہوا تھا۔ دوسری دفعہ نواب سید محمد صدیق حسن خاں نے الادراک لتخریج احادیث رد الاشراک کے نام سے شائع کیا تھا۔ شروع میں نواب صاحب کا رسالہ قطف الثمر فی بیان عقیدۃ اہل الاثر ہے۔

---

۵۶ اتحاف النبلاء ص ۴۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ تقویۃ الایمان (اردو) شاہ اسماعیل کی یہ بہت ہی مشہور کتاب ہے اور اردو زبان میں ہے۔ بے شمار مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس کی مجموعی تعداد اشاعت بیالیس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ اردو زبان کی کوئی کتاب اتنی زیادہ تعداد میں شائع نہیں ہوئی۔ یہ اس کی مقبولیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ سب سے زیادہ ہدفِ اعتراض بھی یہی کتاب بنی اور اس کے رد میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ شاہ اسماعیل پر کفر کے فتوے بھی اسی کتاب کی وجہ سے لگائے گئے۔ بعض لوگوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو، اس میں فرشتے نہیں آتے[۴۷]

تقویۃ الایمان درحقیقت شاہ اسماعیل شہید کی عربی کتاب "ردالاشراک" کے پہلے حصے کا ترجمہ ہے جو خود انہی نے کیا تھا۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے جو میر شہامت علی نے کیا تھا۔

۳۔ تذکیر الاخوان: (اردو) یہ شاہ شہید کی عربی تصنیف "ردالاشراک" کے دوسرے حصے کا ترجمہ ہے جو مولانا سلطان محمد خان نے کیا۔

۴۔ منصب امامت: (فارسی) یہ ایک نہایت بلند پایہ اور انتہائی عمدہ کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۵) تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین (عربی) اس میں شاہ صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جمع کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنا سنت ہے۔

۶۔ صراطِ مستقیم (فارسی) یہ کتاب سید احمد شہید بریلوی کے ارشادات پر مشتمل ہے۔ شاہ اسماعیل شہید نے صرف اس کی ترتیب و تدوین میں حصہ لیا۔ مولانا عبدالحی بڑھانوی اس کی تدوین میں شریک تھے۔ اس کے چار باب ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

۷۔ العبقات: (عربی) یہ کتاب تصوف کے موضوع پر ہے اور بڑی ادق اور مشکل ہے۔ ان کی دوسری تصانیف کی طرح اس میں تصوف کے علاوہ بعض دیگر موضوعات بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے کیا تھا جو حیدر آباد (دکن) سے چھپ چکا ہے۔ ترجمہ بھی بہت مشکل ہے۔

۴۷۔ حیات اسماعیل شہید ص ۱۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ الیضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح : (فارسی) شاہ صاحب کی یہ نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ بدعت کیا ہے اور سنت کا اطلاق کس چیز پہ ہوتا ہے۔ اس موضوع میں یہ منفرد کتاب ہے۔ اردو ترجمے کے ساتھ یہ کتاب دو یا تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔

۹۔ رسالہ در علم منطق (فارسی) سر سید نے "آثار الصنادید" میں شاہ صاحب کے ایک رسالے کا ذکر کیا ہے جو علم منطق سے متعلق ہے۔ یہ رسالہ اپنے موضوع میں نہایت عالمانہ ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس علم پر بھی اُنھیں عبور حاصل تھا اور وہ انتہائی قابلیت اور فراست و فطانت کے مالک تھے۔

۱۰۔ اصول فقہ (عربی) مسائل فقہ سے متعلق یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ اس میں ضمناً حدیث متواترہ اور تقلید و اجتہاد کے بارے میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اپنے موضوع کا یہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں مجتبائی پریس دہلی سے اشاعت پذیر ہوا۔ دائرۃ المعارف لاہور نے بھی اسے شائع کیا تھا۔

۱۱۔ یک روزی (فارسی) یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے اور اس میں تقویۃ الایمان پر مولانا فضل حق خیر آبادی کے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ ایک دن شاہ اسماعیل نماز کے لیے مسجد کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص نے ان کو مولانا فضل حق خیر آبادی کا ایک رسالہ دیا، جس میں تقویۃ الایمان پر اعتراضات کیے گئے تھے اور مسئلہ امکان نظیر سے متعلق شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کی تردید کی گئی تھی۔ شاہ صاحب نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ گئے اور ایک ہی نشست میں اس کا جواب لکھ دیا، اسی لیے یہ رسالہ "یک روزی" کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ رسالہ کئی دفعہ چھپ چکا ہے اگرچہ مختصر ہے تاہم بہت جامع اور مدلل ہے۔ اب تک اس کا کوئی شخص جواب نہیں دے سکا۔

۱۲۔ حقیقت تصوف : (فارسی) یہ کتاب اب نایاب ہے۔ اس کا ذکر "الحیات بعد المماۃ" میں کیا گیا ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے تصوف اور اس کی حقیقت بیان کی ہے اور سچے اور صحیح صوفی کی تعریف فرمائی ہے۔ تصوف کے نام پر جو غلط باتیں کی جاتی ہیں، ان کی مذمت کی ہے۔ اس کتاب سے طبقۂ صوفیا کی بہت اصلاح ہوئی ہے۔[۵۸]

---

۵۸ الحیات بعد المماۃ ص ۱۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴۔ الاربعین فی احوال المہدیین : شاہ شہید کی یہ وہ کتاب ہے، جس کا ذکر ان کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا۔ صرف "حیات اسماعیل شہید" میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ منقول یہ ہے کہ یہ کتاب صرف ایک مرتبہ ۱۲۶۸ھ میں مصری گنج کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ اب نایاب ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ اس کا موضوع جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، امام مہدی کا نزول ہے اور اس میں مصنف شہید نے وہ احادیث جمع کر دی ہیں جن سے امام مہدی کے نزول کا ثبوت ملتا ہے۔ کتاب کا کچھ حصہ عربی میں ہے اور بین السطور میں اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ آخر میں شاہ نعمت اللہ ولی کا فارسی قصیدہ ہے[۷۹] یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ قصیدہ کس شخص نے کتاب کے آخر میں درج کیا ہے۔

مکتوبات

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ زندگی کے ہر قدم پر ہمیشہ انتہائی سرگرم اور فعال رہے۔ مخالفین اسلام کے ساتھ جہاں ان کی مجاہدانہ تگ و تاز تاریخ کا ایک بہت بڑا باب ہے اور ان کی تصنیفی جد و جہد خاص اہمیت کی حامل ہے، وہاں ان کے مکتوبات کو بھی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اُنھوں نے اپنے دوستوں، مخالفوں، معاصروں، مختلف علاقوں کے سرداروں اور اہلِ علم کو بہت سے مکتوبات تحریر کیے۔ فقہی اور علمی مسائل دریافت کرنے والوں کے نام بھی اُنھوں نے خطوط لکھے، پھر اپنے مرشد امیر المجاہدین سید احمد شہید بریلوی کی خدمت میں بھی مکتوبات ارسال کیے۔ ان مکتوبات سے اس زمانے کے معاشرتی، دینی اور سیاسی کوائف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور پتا چلتا ہے کہ مجاہدین کن حالات سے دوچار تھے اور خدمت اسلام کا جذبہ ان کے اندر کس طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ پھر صوبہ سرحد کے عوام و خواص کا ان کے بارے میں کیا نقطۂ نظر تھا۔ شاہ شہید کے مکتوبات سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ان کے علم و فکر کے حدود کس درجہ وسیع تھے اور ان کی سیاسی بصیرت کتنی گہری تھی۔

شعر و شاعری

شاہ اسماعیل شہید جہاں بہت بڑے مصنف اور نثر نگار تھے وہاں ممتاز شاعر بھی تھے۔

---

۷۹ حیات اسماعیل شہید ص ۱۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نثر کے ساتھ ساتھ اِن کی منظومات کو بھی اہلِ فن کے نزدیک ایک مقام حاصل ہے۔ اُنھوں نے فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی اور اس میں کامیاب رہے۔ ان کے کلام کے حصہ فارسی میں (۱) مثنوی سلک نور (۲) قصیدہ در مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (۳) قصیدہ در مدح سید احمد شہید اور حصۂ اُردو میں (۱) مثنوی سلکِ نور (۲) رسالہ بے نمازاں اور (۳) نسخۂ قوتِ ایمان شامل ہے۔ جس طرح اُن کی نثر زوردار اور مؤثر ہے، اسی طرح ان کی فارسی اور اُردو منظومات کا پایہ بھی بڑا اونچا ہے۔

شہادت

اس عالم نبیل، فاضلِ بے بدل، ماہر علوم معقول و منقول، مجاہدِ اعظم، مصلحِ وقت، مجددِ دوراں، بہادر جرنیل اور عظیم مصنف و شاعر نے اپنے متعدد رفقائے عالی قدر کے ساتھ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱) کو بالاکوٹ کے میدان میں کفار سے جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال کی تھی۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شاہ محمد عمر

جیسا کہ ابتدا میں بتایا گیا شاہ محمد اسماعیل کی تعلیم و تربیت کی منزلیں ان کے چچا شاہ عبدالقادر کی آغوش محبت میں طے ہوئی تھیں۔ شاہ عبدالقادر کی ایک ہی صاحب زادی تھیں جن کی شادی ان کے بھتیجے مولانا مصطفےٰ سے ہوئی تھی۔ ان کی بھی ایک ہی بیٹی تھیں، جو شاہ محمد اسماعیل کے عقد میں آئیں۔ شاہ محمد اسماعیل کے ہاں بھی ایک ہی لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد عمر رکھا گیا۔

شاہ محمد عمر مزاجاً و طبعاً دنیا اور اہلِ دنیا سے اسی طرح بے نیاز اور مستغنی تھے، جس طرح کہ ان کے جدّ امجد شاہ عبدالغنی تھے۔ تمام عمر گوشہ نشین اور لوگوں سے الگ تھلگ رہے۔ اپنے خاندانی مدرسے میں تعلیم پائی۔ اساتذہ میں صرف شاہ محمد اسحاق دہلوی کے اسم گرامی کا پتا چل سکا ہے۔ بہت ہی متقی اور خدا رسیدہ عالم تھے۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ کا بیان ہے کہ شاہ محمد عمر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کثرت سے ہوتی تھی[۱]

© rasailojaraid.com

۱؎ ارواح ثلاثہ ص ۱۷۴

© rasailojaraid.com

شاہ محمد عمر اپنے دور کے درویش آدمی تھے اور بعض دفعہ ان پر جذب کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ امور مشتبہ سے پرہیز کرتے اور ممنوعات سے دامن کشاں رہتے۔ کسی ایسی جگہ نہ جاتے جہاں کسی شکل میں بھی برائی کا ارتکاب ہوتا ہو۔ اس سلسلے میں نواب مصطفٰے خاں کا بیان ہے کہ ہم چند احباب جن میں مرزا غالب بھی تھے اپنے بالاخانے میں بیٹھے ہوئے تھے اور بلا مزامیر کے گانا ہو رہا تھا۔ اتفاق سے مومن خاں مومن کہیں سے شاہ محمد عمر صاحب کو پکڑ کر وہاں لے آئے۔ وہ برابر یہ کہتے جاتے تھے کہ "مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو" مگر مومن خاں نہیں مانتے تھے، آخر اُن کو لاکر اس مجلس میں بٹھا دیا۔ گانا برابر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر میں شاہ محمد عمر صاحب نے جسم کو ایک بہت ہی معمولی سی حرکت دی، اس کے اثر سے سارا مکان ہل گیا۔ اس پر حاضرین مجلس کچھ پریشان سے ہوئے، یہ بھی خیال ہوا کہ شاید شاہ صاحب کی جنبش کا اثر ہو، یہ بھی کہا جانے لگا کہ ممکن ہے زلزلے کا جھٹکا ہو۔ مگر سب کی توجہ شاہ محمد عمر کی طرف ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے دوبارہ جسم کو حرکت دی جو پہلی حرکت سے زیادہ تھی۔ اس سے پھر مکان ہلا اور پہلے کی نسبت زور سے ہلا۔ اب سب کو یقین ہو گیا کہ یہ سب شاہ محمد عمر کی حرکت کا اثر ہے۔ تھوڑی دیر بعد ذرا اور زور سے جسم کو حرکت دی تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی یہاں تک کہ کڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں جو شیشے اور آلات وغیرہ پڑے تھے وہ کھن کھن کرکے گرنے لگے۔ اس پر کسی نے شاہ محمد عمر سے کہا "یہ کیا؟" فرمایا "میں تو پہلے کہتا تھا کہ مجھے چھوڑ دو، مجھے مت بٹھاؤ۔" یہ الفاظ کہے اور اٹھ کر چلے گئے[۱۲]۔

شاہ محمد عمر نماز نہایت خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے۔ میاں سید نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں کہ مولوی محمد عمر کے زہد و عبادت کا یہ حال تھا اور نماز اس طرح اطمینان سے پڑھتے تھے کہ رکوع و سجود اس قدر طویل ہوتے کہ اس اثنا میں عام آدمی سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ ستائیس اٹھائیس مرتبہ پڑھ لیتا[۱۳]۔

استغنا اور خود داری کا یہ عالم تھا کہ دہلی کے مغل بادشاہ نے اکثر ان سے ملاقات کی تمنا

۱۲؎ ~~ایضاً ص ۴۸~~ ارواح ثلاثہ ص ۱۷۵

۱۳؎ الحیات بعد الممات (حاشیہ) ص ۲۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اور ارکانِ دولت کو پیغام ملاقات دے کر ان کی خدمت میں بھیجا، مگر آپ نہیں گئے اور ہمیشہ جواب میں یہی کہا کہ جس باپ کی نسبت سے بادشاہ میری ملاقات کے خواہش مند ہیں، ان کی بزرگی مجھ میں نہیں ہے، اور اسی عذر پر کبھی ملاقات نہیں کی[۴۱]

شاہ محمد عمر علم و فضل اور تقویٰ و تدین میں اپنے دور کی بے نظیر شخصیت تھے۔ ان کے اوصاف و کمالات کی وجہ سے لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور ہر حلقے میں ان کو لائق تکریم گردانا جاتا تھا۔ انھوں نے دو مغل بادشاہوں کا زمانہ پایا، اکبر بادشاہ ثانی کا اور بہادر شاہ ظفر کا۔ ان دونوں باپ بیٹے کے دل میں ان کی انتہائی عزت تھی۔ انھوں نے اپنے امرا کی وساطت سے ان کو بارہا اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی مگر یہ نہیں گئے اور ہر دعوت کے جواب میں نہایت انکساری سے یہ کہلا بھیجا کہ نیکی اور پرہیزگاری میں میرا وہ مقام نہیں ہے جو میرے باپ یا دیگر اسلاف کا تھا۔

شاہ محمد عمر نے ۲۲ جمادی الاخری ۱۲۶۸ھ کو وفات پائی۔ "مرگ شیخ زمان" سے ان کی تاریخ وفات نکالی گئی۔ شاہ محمد کی کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ اس خاندانِ عالی قدر کے آخری فرد تھے۔ ان کی وفات کے ساتھ ہی دودمانِ ولی اللہی کی صلبی اولاد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ البتہ روحانی اولاد بے حد و حساب ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کا کوئی ایسا عالم دین نہیں جس کی سند ان بزرگوں تک نہ پہنچتی ہو اور جس نے کسی نہ کسی صورت میں ان سے استفادہ اور استفاضہ نہ کیا ہو۔ خود صاحب ترجمہ مولانا محمد اسماعیل شہید کے علم و فضل، عمل و کردار، تصنیف و تالیف اور افکار و نظریات سے مستفید و متاثر ہونے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے، انھیں ملت اسلامیہ کا محسنِ عظیم قرار دیتی ہے اور اپنا رہنما و قائد مانتی ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

[۴۱] الحیات بعد المماتص ۲۰۶

© rasailojaraid.com